اینجانب

تم نے اپنی چھت پہ پھیلا کا جو گوبر رکھدیا
اسکو پریوں نے اٹھا کر جائے عنبر رکھدیا

ان جناب نے ضمیمہ مورخہ ... بعنوان کسی برساتی رُت میں لکھا تھا۔ سوا بکی برسات نے بھی وہ موسلا دھار دھما چوکڑی مچائی کہ الٰہی توبہ۔ سارا الیبا تو بہہ گیا۔ کہیں تو سرد و بارانی کی دھکا پیل کر دی اور کہیں ناک ڈبوؤ پانی کی۔ جنگلوں میں نباتات کو اٹھایا تو بستیوں میں مکانات کو گرا دیا۔ جہاں حشرات الارض کے نشو و نما میں امداد کی وہاں بی سردی بیگم کے ابھارنے میں بھی کچھ کم اعانت نہیں کی۔ جاڑے کا ملازمی حق القدر و آگ تاپنے سے چلو بھی نہیں کرتا۔ چنداں بادہ خوار نے جتا جتا کے بشریت کپکپی میں دل و جگر کو آتش زنداں سے سینکا۔ تو عیاشاں ابکاری نے جھرجھری میں آنکھوں کو بازاری گرم طبیعتوں کے رخسار ہی شعلہ نما پال سے۔ ہاں بیچاری ناک غم ناک کان کی لو کی طرح پر دم ٹھنڈی برف بنکا رہی۔ سا اگر کسی نے ناک پہ سونڈ کا غلاف چڑھا کے رام لیلا کا گنیشی سوانگ دھار لیا ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ دسہرے کی سبھا کی سو بھا ہو ہی گئی۔ لیکن اسکے مقابل میں اگر کسی بے دم کے دم نکل آئی تو گویا ہنومانی ہیئت نے انسانی طبائع کی ترازو کے دونوں پلے برابر کر دیئے۔ کیونکہ برساتی پانی ایسا نہیں ہوا جو کہیں ٹھہرا نہ ہو۔ اگرچہ اسکا تھام نہ ہوا ہو۔ اسکی بخاری ہوا میں بھی زور رہتا ہے کہ انسانی ناف تنے تو درکنار ہے۔ زمینی طلوں کو بھی چھلا دیتا ہے۔ جنھوں کی مزروعہ زمینیں تو الگ رہیں۔ انکے خود رو باغ میں لالہ پیدا ہو کر زمین شور میں بھی سنبل کی جٹائیں نکلی ہوئیں شستی جاتی ہیں۔ تبھی تو کسی نے کہا ہے ؎

زمین شور سنبل بر نیارد - کون کہتا ہے۔

پنجابی دریاؤں کا زودفضی پانی نفنفن ایسا کھینچ کھینچا کے چڑھاؤ پر چڑھا کر پوربی دو آبے سے نکل کے بنگالی خطہ کو بھی دربغل کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی انقار ہوا کے شیخ جو ہماکے ہندوستان کے ہر حصہ کے ملازمتی ہو رہتے بیٹھے منیٹ رہتے ہیں۔ انکے بوتل ناول میں خوشامد ہی مادہ قدرت نے ٹھونس ٹھونس کے بھر رکھا ہے۔ افسر کے بچہ کی پیٹ سے اپنے منہ پر اپنے ہاتھوں استرکاری کر لیتے ہیں۔ اور گھناؤنے کاموں سے گھن نہیں کھاتے۔ کہتے ہیں کہ بارہ برس میں کوڑی کے بھی دن پھرتے ہیں۔ انکا بن کھتیلی زمین ہو گیا ہے۔ پیداوار کیونکر اچھی نہ ہو۔ آجکل گذشتہ پنجاب ہی کے خس و خاشاک پر گھن برس رہی ہے۔ ان پر پانی نہ پھرے تو اور کس پر پھرے۔ یہ لوگ مدان کال سے مریں نہ بنگال سے۔ ہاں کوئی بھونچال و ہیضہ۔ بخار و اسہال سے مرا تو بھی آئی مرا ہو گا۔ اپنی موت تھوڑا نہیں ہو گا۔ کیونکہ خوشامد شعاری سے انکا موتوا قبل ان تموتوا پر روز خلقت ہی سے عمل ہے۔ حوادثات ناگزیر کا پانی اگر سر سے اونچا بھی ہو جائے تو اس میں یہ ہاتھ پیر مارنے کو اپنے کنبے بھر کی آبرو ریزی سمجھتے ہیں۔ انکا قول ہے۔ قبیح ؎

آبرو بہ پانی فرایش ہے جب بہنے لگا ☆ ہنسے پانی پت میں گروی گھر کا چھپر رکھدیا۔

ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا سا ساتھ ہے

کیوں حضرت سچ ہے نا۔ اگر یاد نہیں آتا تو مجھ سے اسکا لف و نشر مرتب سنئے۔ کہ ہندوستان میں جو پہلے کے ہیں پہلے آگے رہتے ہیں۔ اور جو پیچھے کے ہیں وہ پیچھے۔ ہندوؤں میں کناگت ہے۔ مسلمانوں میں شب برات۔ ہندوؤں میں لیلا۔ مسلمانوں میں لیلۃ القدر۔ بخار بھی آیا تو پہلے ہندوؤں کو پھر مسلمانوں کو ہر گھر میں ہر فرد و بشر بڈھے جوان بچہ کو شب براتی چپاتی مٹھے کی طرح حصہ رسد پہونچ رہا ہے۔ بعض سنڈ مسنڈے بھوکے بنگالی پلکے دوہرا تہرا حصہ لیکر بھی بس نہیں کرتے۔ اور کہیں بخار کے ساتھ موتیا جھرا بھی ہے۔ گویا چپڑی اور دو دو۔ مسالے آگ کی کھکھیڑ اٹھائے ہوئے اوت نپوتے۔ اور دودھ پوت والے ست پتے بن بیٹے پتے۔ برسویں دن کناگتوں میں باسی کوسی بجا منگی اور ترکاری پر جنموں کے سر پر آکے بھسم کرتے تھے تو بیچارے گوبر گنیشوں کی جگہ بھاگنے والوں نے کیا گناہ کیا تھا۔ جو بڑے بڑے تھمروں کی دیوار کا لیو چاٹتے انہوں نے ملاؤں کے سر پر جھومنا شروع کر دیا۔ برہمن نیچے پر اودھا کھاتے بیٹھے ملانے فاتحہ کی دعوت پر۔ ہندوؤں کے گھر ہے کائے کوتے کی جون میں آکے کھیر چاٹتے ہیں۔ مسلمانوں کے کبوتروں کی جھول میں چپاتیوں کے ٹکڑے چکھتے ہیں۔ انکے گھر کھیر پوریاں پکتی ہیں۔ انکے گھر حلوا چپاتیاں۔ ان لوگوں کے مرنے میں بھی مزا ہے۔ کہ برسویں دن کسی کے سر چڑھ کے بتر تھموں سے اپنا طلوب تازہ کر لیتے ہیں۔ اور کھالی کے مادن بن جاتے ہیں۔ اور یہ صاحبقران انکو بھی گولوں سے جلاتے ہیں اور انکو ٹاخوں سے ڈراتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو ان سے ہنسوان بھی گودھاتی

یاران ہم فالب

کیوں کرتی ہے تو شکوۂ صیاد عندلیب
پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے

یا رب پنچ برسات کا خوشنما موسم کتنا پیارا اور راحت بخش دل و دماغ ہوتا ہے سبزۂ خودرو کا جنگل کو ہرا بھرا کر مخملی فرش کے مصداق بنا دینا باغوں میں سوکھے ہوئے درختوں کا ہرا ہو کر میوہ جات کے بار سے جھک جانا گلہائے سربستہ کا چیخ چیخ کر بلبلان وارفتہ کو اپنے دل لبھانے والی اداؤں پر فریفتہ کرنا شبنم کا گلہائے کی ہنسی پر بے اختیار ہم جیسے بدنصیب دور از حبیب کے طور پر رونا تو رہا پپیہے کی آوازیں جھیلوں کے ترانے کوئلوں کے ملہار گانے اسی موسم کے ادنیٰ سے کرشمے ہیں۔ مگر یہ سب باتیں اُس وقت میں ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ جب کسی سیم تن [illegible] کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوں اور باغ کی کسی روش پر کھڑے ہوئے فواروں کی اچھل کود کا نظارہ کر رہے ہوں۔ بغل میں بوتل ہو۔ ہاتھ میں [illegible] ورنہ یہ تمام باتیں بمصداق اسکے نظر آئینگی۔ سنیئے

قطعہ بند اشعار

برسات کا موسم بھی عجب ہے طرب افزا ۔ ہے خاک اگر یار نہیں جبکہ بغل میں
تنہائی میں رونا ہی بڑا اچھا ہے نہ ہنسنا ۔ جنگل ہی میں دل لگتا ہے اپنا نہ محل میں
کل چین نہیں ہے کسی کروٹ کسی پہلو ۔ ہے اختر اقبال مرا برج حمل میں
ہیں سامعین جیسے [illegible] کا اک شعر سناتا ہوں مثل میں

کیا ہجر میں شراب کو چولھے میں ڈالئے
کیا پھونکئے فراق میں فصل بہار کو

راقم بیان شہرادی
بقلم ظریف الزماں از کوسی کلاں

خلاصہ کانفرنس

ڈیر پنچ! ٹھوکر سے مجرا عرض ہے۔ کہیئے مزاج شریف کیا حال ہے؟

زنانہ کانفرنس پھر۔ دنیا کی اونچ نیچ دیکھ کر یوں تو انسان اور خصوصاً ہر ایک قوم اس ملک کی ہوشیار ہوتی جاتی ہے جیسے کئی انجمنیں، سوسائٹیاں، کانفرنس، کلب وغیرہ وغیرہ قائم ہوتے جاتے ہیں۔ بھلا ایسے ترقی کے زمانے میں کیونکر ممکن ہے کہ ہندوستانی رئیسوں۔ اور بڑی بیگموں کا گروہ چپ چاپ گھر میں [illegible] بیٹھا رہتا۔ جہاں [illegible] کی وجہ سے اس زمانے بھر کے نقال [illegible] گروہ نے طرح طرح کے سوانگ بھرنے بہروپ بدلنے شروع کر دیے ہیں۔ وہاں کیا اس ترقی کے رستہ میں دنیا بھر سے ہم ایک بالشت [illegible] دکھائی دیں۔ کیوں۔ وجہ۔ باعث۔ سبب۔ کوئی اتنی بھولی بات نہیں۔ ایسے سنتے ہیں کہ بتاریخ ۳۱۔ [illegible] کو ایک [illegible] بڑے مکان میں یہ کانفرنس قائم ہوئی۔ [illegible] کے رنگ سے بھر پور [illegible] رشید کے وقت کے نکلے کہے گی۔

قریب ساڑھے نو بجے شب کے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ [illegible] نے تجویز کیا کہ لنگوٹی کھسوٹ بیگم اس جلسہ کی پریسیڈنٹ قرار دی جائیں۔ سب نے تائید کی۔ اور لنگوٹی کھسوٹ بیگم کرسی پر جا بیٹھیں اس کے بعد حضرات جان کا لیکچر شروع ہوا۔

اے میری ننگی بہنو۔ [illegible] والی۔ مردوں کو بیوقوف بنانے والی بہنو! تم کو معلوم ہے کہ ہم سب آج اس وقت کیوں اس مکان میں جمع ہوئی ہیں اسے ہم آنکھ دن دیکھتے رہتے ہیں کہ مرد ہو کے برابر [illegible] کمیٹیاں [illegible] کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اور ترقی کا رستہ بانسوں اچھل اچھل کر [illegible] ہیں اے تم دیکھتی ہو ہم کیا ان سے کسی بات میں کسی طرح کم ہیں [illegible] کریں۔ ہمیں اس کام میں جو بیوقوف بنائے وہ [illegible] اے میری پیاری آنکھوں کی پتلیاں بہنو۔ ہمارے [illegible] اس سے پہلی نوجوان [illegible] کی گود کے کھیلتی [illegible] ابھی ہوشیار ہوگئی ہیں۔ بڑے بڑے [illegible] کے سبق حاصل کرکے دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ [illegible] بڑی بڑی مالدار خدا ان کے نام کو [illegible] دنیا تک بڑی دولت وحشمت والی تھیں۔ [illegible] ایک اولاد تھی۔ جس کو [illegible] انہوں نے بالکل بڑے سے بڑے رئیس کے بچے کو [illegible] میں بھی [illegible] جس سے ہر [illegible] کھیلا کرتی تھی۔ اس وقت سے [illegible] میری زندگی ایسی گزرتی جیسے کوئی صاف شفاف پانی کا چشمہ اپنی دل بستگی [illegible]

ملہ یہ شعر اشعار بالا سے جدا ہے۔

جاتا ہے۔ جب اُنکی اُستانی جی جو ایک پُرانے خرانٹ زمانہ بھر کے نیارے ہیں۔ گلنے بجانے
میں خوب مشاق تھے میری تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ صبح۔ شام تعلیم ملنے لگی۔ دوپہر
کو ایک منشی صاحب اردو پڑھا جاتے تھے۔ صبح شام جو تعلیم پانے لگی۔ زمانے کی ہوا
بھی کچھ موافق آنے لگی۔ میری گیارہ برس کی عمر تھی۔ کہ ایک رئیس صاحب کے ہاں
اماں مجھے لیکے میں ایک سو روپیہ روزانہ پر بیاہ گئیں۔ گو میں اس زمانہ میں کیا اب
بھی کچھ اچھا گانا نہیں جانتی لیکن تقدیر نے زور مارا۔ رئیس کو میرا پیارا پیارا چہرہ
بھولی بھولی باتیں کچھ ایسی پسند آگئیں خود اُنکے ملازم رکھ لیا۔ اب کیا تھا اماں
کی دلی مراد پوری ہوئی۔ گو روپیہ پیسے کی اُنکو چنداں پرواہ نہ تھی اللہ کا دیا بھرا
پُرا گھر تھا۔ تہہ بسے اور جوہرے جڑاؤ اور سادے زیور موجود تھے۔ سونے کے
پانو اسکا سہری سارے شہر میں چوبیسی کی یاں تھی۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ کتنا ہی آدمی
مالدار ہو مگر آئی دولت کسے بُری لگتی ہے۔ دوسرے ایک بڑے رئیس کی نوکری
علاوہ مال و دولت کے عزت کیسی تھی۔ حرصکہ دو سال تک تین اُنکی ملازم رہی
ہاں خوب یاد آیا۔ اُنکی لڑکی کے دنوں میں ایک ایک دو دو مہینے کی چھٹی لیکر
میں گھر بھی بیٹھا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں چھٹی لیکر گھر آئی ہوئی تھی۔ ایک لالہ صاحب
خاک لوٹے ہوئے ہیں بہت ناک نقشے کے اچھے مجھ پر عاشق ہوئے پہلے تو میری اُنکی
خوب خفیہ رسم بازی رہی۔ پھر کچھ روپیہ کی چاٹ دیکھکر اماں نے بھی اُنکو گھر پر آنے
جانے ملنے جلنے کا موقع دیدیا۔ بیچارے گیارہ بجے رات کو آتے اور گھنٹہ بھر بیٹھکر
چلتے۔ روپیہ۔ اشرفی۔ کپڑا لتا جو مجھے درکار ہوتا یا اماں فرمائش کرتیں خوشی خوشی
لا کر دیدیتے۔ اتفاق زمانہ سے میری رئیس صاحب سے ایک بات پر نا چاقی
ہوگئی یہاں تک بات بڑھی کہ میں نے اُنکی نوکری چھوڑ دی۔ اور گھر آبیٹھی جاتی
تھی کہ اگر عمر بھر بیٹھی بیٹھی کھاؤنگی تو بھی بہت دولت ہے۔ کافی سے بھی میرے کی
زیادہ ہے۔ وہاں سے نوکری کا چھوٹنا اور لالہ صاحب کا میرے گرد ہونا۔ پھر کیا تھا
اُنکے گھر گویا عید آگئی۔ اب صبح۔ دوپہر۔ شام۔ تیسرے پہر۔ جب دیکھو گھر میں ہی
موجود ہیں۔ اماں نے میری کسی قدر دلبستگی کے لئے دوسرے شریف آدمی کی
شکل دیکھکر سمجھا تھا کہ خیر دو گھڑی آجاتے ہیں کیا حرج ہے۔ اسکا کیا خطرہ ہوتا ہے
اے خدا کی شان ہے۔ سچ ہے کہ انگلی پکڑتے پہنچا پکڑا۔ رفتہ رفتہ اُس نے
میرے کان اماں اور اُستاد جی کی بُرائیوں سے بھرنے شروع کئے۔ باتوں سے
ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرا کوئی سچا رفیق نہایت ہی ہمدرد ہے۔ اتفاق سے
اماں اجمیر شریف کی زیارت کو جانے لگیں۔ مجھے بھی ہمراہ چلنے کو کہا۔ اس پر بھی
اس موذی نے وہ جانکے پڑھائے کہ توبہ ہی بھلی۔ میں کمبخت بیٹھ سے

کانوں کی کچی ہوں۔ میں نے وہ سب سچ جانا۔ (جانے یہ نہ سمجھی کہ ماں ڈائن بھی ہو تو
بچوں کو نہیں کھاتی) خیر اماں چلی گئیں۔ میں نہ گئی۔ مجھسے اوپر اوپر کی باتیں بنا
اپنی محبت جتانے چلتا۔ میرے زیور کا صندوقچہ روپے پیسے اُنکے ہی گھر رہنے لگے
جو ضرورت ہوتی منگا لیتی۔ میں کمبخت نافہم یہ کب سمجھی تھی۔ کہ یہ فریب مجھ پر
اچھی طرح قبضہ کر لینے کے لئے گانٹھا گیا ہے جیسے کوئی چڑیل کی چوٹی کاٹ لیتا ہے۔
خدا کی شان میری کمائی کے روپیے وہ اپنے نام سے خرچ کریں۔ دیکھنے والے سمجھیں
گویا بڑے امیر کبیر ہیں۔ ہمارا سر مسیری کا برابر۔ خیر کہاں تک کہوں دل جلتا ہے۔
جب اُن سے نا چاقی ہوئی۔ بندہ بشر ہے ہو ہی جاتی ہے۔ میرا زیور۔ کپڑا اور کچھ
روپیہ دبا بیٹھے۔ اس لئے کہ اس لالچ میں شاید پھر ملاپ کرے۔ اور مجھے بھی کمبخت کو
یہی سوجھی کہ ملاپ کر کے اپنا مال اُنکے قبضے سے نکلوا لے۔ اسپر اُنہوں نے ایک اور
زبردست چال چلی۔ یعنی مراسیوں کو روپیہ دیکر اس لالچ میں اُنکو ڈھاکر میری چوٹی
کے بال منگوائے۔ اور خدا جانے کس نا خدا ترس سے اُنپر جادو کرایا۔ جسکے سبب
میری یہ حالت ہوگئی تھی کہ سوائے لالہ صاحب کے کسی سے ہنسکر کیا معنی سیدھے منہ
بھی بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ دن رات اُنکے ساتھ ہنسی مذاق کھیل کود میں
بسر ہوتی تھی۔ اگر خدا نخواستہ دو چار گھنٹے یا پانچ سات دن کے واسطے کہیں
چلے گئے میرا بُرا حال ہو جاتا تھا۔ گھر جنجال۔ جینا وبال دکھلائی دیتا تھا۔ پانچ چھ
برس اس طرح گذرے چہرے پر خون کا نشان نہ رہا۔ گرہ میں پیسہ اور صندوقچہ میں
زیور کا پتہ نہیں۔ جیسے پہلے ماشاء اللہ بھرا پُرا رہتا تھا۔ ویسا ہی اب خالی
ہو گیا۔ شروع جوانی۔ اُٹھتے جوبن میں یوں تو سب ہی پر روپ ہوتا ہے۔ لیکن توبہ توبہ
کرکے کہتی ہوں۔ بڑے بڑوں کا سر چاہ چاہ کا جھکا پڑتا تھا۔ ہزار ہزار ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار روپیہ
دینے کو بڑے بڑے نواب اور راجہ موجود تھے چاہوں تو ہر وقت حکومت کی گدی پر
بیٹھی رہوں۔ لیکن اُنکے طفیل کہیں کی نہ رہی بلکہ لگی جگہ کی نوکریاں بھی چھوٹ گئیں
آخر خدا خدا کر کے ایک منشی صاحب خدا اُنکا بھلا کرے جنکے طفیل اس بلا سے نجات
ملی۔ ماں بیٹیوں میں سلوک ہو گیا۔ گو پہلا سا حسن و جمال تو خواب و خیال ہو گیا۔
لیکن اب بھی بخدا اسے اچھا سو سے کچھ اوپر کما دے ہی رہتی ہے۔

اے میری پیاری بہنو! میری اس سرگذشت سے غرض یہ ہے کہ جو نہال کمسن
اور نوجوان لڑکیاں اس سے سبق حاصل کریں۔ نصیحت پکڑیں۔ تماشبینوں کا کچھ
اعتبار نہیں جیسے گھر کی بیاہتا۔ پھر بچوں کے سامنے جسکا ہاتھ پکڑا قول و قرار
ہوئے۔ دکھ درد میں شریک جسکی اولاد سے نسل قائم رہے نام روشن ہو اُسکو
چھوڑ کر جب ہمارے پاس آتے ہیں۔ تو کیا بات ہے زیادہ [illegible]

اُسکے پاس نہ جائینگے۔ کسی کے ہم ٹھیکہ دار نہیں۔ مگر جب تک اپنے پہلو میں رہے اپنا ہے۔ ہیں تو کون اور میں کون۔

مجھے یقین ہے کہ سب میری سرگزشت سے عبرت اور نصیحت حاصل کرینگی اگر کوئی خلاف تہذیب کلمہ دوران گفتگو میں نکل گیا ہو تو سب مجھے معاف فرمائیں

اسپر چاروں طرف سے واہ واہ کا شور تحسین آفرین کا غل ہوگیا۔ سب نے داد دی بڑی بوڑھیوں نے اُٹھ کر بلائیں لیں۔ بعض نے گلے لگایا۔ اے شاباش بھی تیری گفتگو اور تیری لیاقت ہم سب قائل ہیں۔ خوب سلیقہ پیدا کیا ہے اور جو جو باتیں کہیں ماشاء اللہ سب سچی اور نصیحت کے قابل + باقی دارد

بقلم شیر افگن دہلی

کیا خوب

سنیے مسٹر چارلس برٹل ساکن کینٹ ندیگوا۔ نیویارک (امریکہ) کا گھوڑا پاجامہ پہنتا ہے۔ کیا خوب۔ تھوڑے دنوں میں ہیٹ۔ کوٹ۔ کالر بھی ڈانٹے گا۔ یہ نیا فیشن ہے۔ وہ حضرات شرمائیں۔ جو عورتوں کے چہرے سے نقاب تک اُٹھانے کے درپے ہیں۔ جانور تو اپنا ستر ڈھانکیں۔ اور یہ حضرات ستر کھلوائیں کیا اچھا مقابلہ ہے۔ شاباش بڈھو جیتے رہو۔ کچھ کما کھاؤ گے۔

اور سنیے گا

چکاگو میں دو لڑکے ایک ہی ماہ پارہ پر فدا تھے۔ ایک کہتا تھا میری۔ دوسرا کہتا تھا کیسی تیری۔ معاملہ بانیجا رسید۔ کہ ڈوئل ہوئی۔ اور دونوں گھائل ہوئے۔ یہ نہیں معلوم۔ محبوبہ کس کی ہوئی۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اگر ایسے معاملات میں ہندوستان بھی امریکہ کی تقلید کرے۔ تو کچھ تو ایسے حضرات کی گشت ہو۔ کیا رائے ہے آپکی؟

بتلائیے

ایک حضرت دریافت می کنند۔ کہ اگر گاڑی چلی جارہی ہو۔ سامنے والے آدمی سے پکار کر کہا جائے ہوشیار وہ ہٹتے نہیں۔ اُنکے ایک چابک رسید کیا جائے۔ تو کیا یہ پٹا ہوا آدمی گاڑیبان پر نالش دائر کر سکتا ہے +

بقلم مسٹر اے آر بیرٹھی۔ از لکھنؤ

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ بورانی ز بادنجان و بادنجان بورانی

مشہور ہے کہ ملک الشعراء خاقانی کو بادنجان یعنی بینگن کچھ مرغوب نہ تھے۔ برخلاف اسکے اور سب خورد و کلاں اسکی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ آخر جب کوئی وجہ انکو اسکی تعریف کی نہ ملی تو آپ اسکی تحقیق اور طرز پختگی کے معلوم کرنے کے لئے ہندوستان کو روانہ ہوئے کیونکہ اسکی ابتدا اسی خطہ سے خیال کی جاتی تھی۔ یہاں آکر وہ تیس برس رہے (ہ وغیرہ بڑھیاں راوی) مگر عقدہ حل نہ ہوا۔ ایک روز ایک دوست کے ہاں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں منجملہ دیگر کھانوں کے بورانی بھی تھی۔ خاقانی کو بہت پسند آئی۔ پوچھا یہ کیا چیز ہے۔ اسے کس طرح بناتے ہیں۔ دوست نے کہا کہ یہ بورانی ہے بینگنوں اور بیسن اور دہی کے ملاپ سے بنتی ہے۔ بینگن کا نام سنتے ہی بیساختہ فرمایا

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی + کہ بورانی ز بادنجان و بادنجان بورانی

یعنی تیس برس کے بعد اب معلوم ہوا کہ بینگنوں کے کھانے کا مزہ بورانی کی صورت میں ہے اور بورانی بینگنوں سے لذیذ بنتی ہے۔

اللہ اللہ ایک وہ لوگ تھے۔ جو ذرا ذرا سی بات کی تحقیق کے لئے برسوں غیر ممالک میں جاکر رہنا اختیار کرتے تھے اور ایک آجکل کے اہل ہند ہیں کہ انکے گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ مگر انہیں خبر نہیں۔ جو کچھ کسی نے کہدیا اسی پر آمنّا و صدقنا پکار اُٹھے۔ نہ غور سے مطلب نہ تحقیق سے کام۔ جبھی تو اہل یورپ انکو کم علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی بات ہی کونسی ہے جسکی تحقیق یا اصلیت ان کے اسلاف کی تصنیف و تالیف میں نہ ہو۔ سب کچھ ہے مگر دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ سچ پوچھو تو اہل یورپ نے اہل ہند ہی کی تصانیف پر اپنے [illegible] کی بنیاد ڈالی ہے۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ اہل ہند۔ اہل یورپ کے تقلید میں آسمان کو حد نگاہ یا انتہائے نظر اور اجرام فلکیہ کو سیارات وغیرہ کے نام سے موسوم کریں۔ اور اپنے اسلاف کے نقش قدم چل کر آسمان کو اکبر شاہ ثانی کے لشکر کی گرد راہ اور ستاروں کو اسکے گھوڑے کے نعلوں کے شرارے نہ کہیں دیکھو استاد ذوق مرحوم کیسے صاف لفظوں میں فرماتے ہیں ؎

انجم میں کیا شرر ہے نعل سمند کے وہ ہے بلکہ تیرا گرد رہ لشکر آسماں

پھر ایک مقام پر آفتاب کی نسبت محققانہ دراستدلال کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اضطرار کی (بھوک لگ رہی ہوگی) حالت میں آہ جو کی ہے تو اسکے ساتھ دل کی آگ کا کوئی شرارہ نکل آیا جو سب سے اگر دیدہ فلک یعنی آسمان پر جا چپکا۔ لوگوں نے جو ایک عجیب و غریب چمکتی ہوئی چیز دیکھی تو کسی نے اسکا نام شمس رکھدیا کسی نے آفتاب کسی نے سورج وغیرہ وغیرہ ؎

آہ کے ساتھ جو نکلا شرر آتش دل، وہ چرخ پر جاکے وہ خورشید جہاں تاب بنا